بزم اقبال

عارف مشرق کی ایک روحانی مجلس کا فیضان

(از جناب قطب الدین بختیار صاحب حیدر آباد)

یک رند دل نہ رفت سلامت زعیب جو کایں ماجرا بہ خضر علیہ السلام رفت

علامہ حمید الدین فراہی

اس ہیچ میرز کو ایک طویل عرصہ کے بعد، صبح کی ابتدائی ساعتوں میں، علامہ اقبالؒ کے حلقۂ روح پرور میں شرف حاضری نصیب ہوا۔ وہی بے تکلف سادہ و آزادہ قلندرانہ انداز ــــ خندہ روئی، شگفتہ مزاجی، نادرہ گفتاری۔ اس دفعہ برصغیر کے مشاہیر اہل عرفان، اصحاب دل اور ارباب علم کا ایسا جھرمٹ نظر آیا جس کی نظیر اس سے قبل کم دیکھنے میں آئی۔ علامہ اپنے معاصرین کے اس ہجوم میں کالبدر فی النجوم نظر آ رہے تھے۔ حاضرین میں جن حضرات سے اس واقعہ نگار کی شناسائی رہی ان کے اسماء گرامی بلا ترجیح و ترتیب پیش کئے جاتے ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبد القادر گرامی، ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، عبد اللہ یوسف علی، شیخ عبد القادر مدیر مخزن، ڈاکٹر رضی الدین، سید راس مسعود، ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر ظہیر الدین الجامعی، ڈاکٹر سید عبد اللطیف، سید سلیمان ندوی، عبد السلام ندوی، ڈاکٹر ظفر حسن، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر غلام دستگیر رشید، پروفیسر سلیم چشتی، ڈاکٹر عابد حسین، خواجہ غلام السیدین، ظفر علی خاں، رئیس الاحرار مولانا محمد علی، غلام احمد پرویز، بہادر یار جنگ، کیقباد جنگ، صبغۃ اللہ بختیاری، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، عبد المجید سالک، سید عبد الواحد، علی میاں، نواب بھوپال حمید اللہ خان اور سید نذیر نیازی۔ یہ جمگھٹا گویا سارے ہندوستان کا عطر تھا جو جاوید منزل میں کھنچ آیا تھا۔ دلدادگان و بہی شناسان کلام اقبال کی

اس یکجائی سے ایک پر کیف سماں بندھ گیا تھا

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور ڈاکٹر رضی الدین کے چند استفسارات پر علامہ مسئلہ زمان و مکان کے بارے میں کچھ توضیحات فرما رہے تھے۔ یہ حدیث قدسی جس کی روایت قدرے تغیر کے ساتھ دو طرح پر کی گئی ہے موضوع بحث تھی ـــ (۱) لاتسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ (۲) لا تسبوا الدھر فانی انا الدھر موقع کی مناسبت سے علامہ نے گول میز کانفرنس کے سفر کے دوران برگساں سے ملاقات کی تفصیل بتلائی اور کہا کہ جب حقیقت زمان پر گفتگو ہوئی تو میں نے حضور اقدس ؐ کی یہ حدیث بیان کی۔ یہ مجرد سننے کے وہ اپنی کرسی معذوران (INVALID CHAIR) سے اچھل پڑا، اس کی روح بے انتہا مسرت سے لبریز اور چہرہ شادمانی سے تمتما اٹھا کہ ایک نبی امی ؐ و اعظم کے قلب پر وہی حقیقت وارد ہوئی جسے وہ استدلال اور ذاتی وجدان کی بنا پر دنیا کے سامنے عمر بھر پیش کرتا رہا اس محل پر ڈاکٹر میر ولی الدین نے امام شعرانی کی تصنیفِ انیف "لطائف المنن" سے امام شافعی کا یہ تاثر پیش کیا کہ میں نے صوفیہ سے دو امر کا استفادہ کیا ہے۔ ایک الوقت سیفٌ قاطعٌ ان لم تقطعہ قطعك، دوسرے ان لم تشغل نفسك بالخیر شغلك بالشر۔ اس پر علامہ نے مترنمانہ "اسرار خودی" سے "الوقت سیفٌ" کے زیرِ عنوان اشعار سنائے، جس پر ساری محفل وجد و حال میں جھومنے لگی۔ قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے چند ابیات سپردِ قرطاس کئے جاتے ہیں :

سبز بادا خاکِ پاکِ شافعی ۔۔۔ عالم سرخوش ز تاکِ شافعی

فکر او کوکب ز گردوں چیدہ است ۔۔۔ سیفِ بُرّاں وقت را نامیدہ است

من چہ گویم سرّ ایں شمشیر چیست ۔۔۔ آبِ او سرمایہ دار زندگیست

صاحبش بالا تر از امید و بیم ۔۔۔ دستِ او بیضا تر از دستِ کلیم

سنگ از یک ضربتِ او تر شود ۔۔۔ بحر از محرومئ نم بر شود

در کفِ موسیٰ ہمیں شمشیر بود ۔۔۔ کار او بالا تر از تدبیر بود

سینۂ دریائے احمر چاک کرد ۔۔۔ قلزمے را خشک مثلِ خاک کرد

پنجۂ حیدر کہ خیبر گیر بود	قوتِ آوازِ ہمیں شمشیر بود
زندگی دہر است و دہر از زندگیست	لاتسبّوا الدھرَ فرمانِ نبیؐ ست

اس نظریہ کے مطابق دھر خلاق ایک شمشیر ہے، جو خود اپنا راستہ کاٹتی ہوئی اور راہ کی مزاحمتوں کو دور کرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ دہر کہ یہ ارتقائی اور خلاقی قوت کبھی کلیم کے اندر کارفرما ہوتی ہے اور کبھی حیدر کرارؓ کے پنجۂ خیبر شکن میں۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق	معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق	اقبال

زندگی وقت میں نہیں گزرتی بلکہ وقت زندگی کی تخلیقی قوت ہے، جس انسان کے ہاتھ میں زمانہ کی تلوار ہو، وہی زندگی کے ممکنات کو نمایاں کر سکتا ہے ؎

خویشتن را وا نمودن زندگیست	ضربِ خود را آزمودن زندگیست	اقبال

اقبال نے ایسے انسان کامل کو 'سوارِ اشہبِ دوراں' کہا ہے۔ زمانہ کی نفسیاتی توجیہ کی جائے تو وہ ایک قسم کی تخلیقی فعلیت اور حقیقت کا جزء ہے۔ حقیقی زمان، متواتر زمان نہیں جسے ہم ماضی، حال و استقبال میں تقسیم کر سکیں۔ یہ خالص دوراں، محض مرور اور ایک آن واحد ہے، جو تغیر و تبدل کو آغوش میں لئے ہوئے تواتر سے دامن کشاں ہے۔ یہ شیوُن الہٰی سے ہے، اور ہر آن ایک نئی شان میں جلوہ گر ہے، 'کل یوم ھو فی شان' اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تجلی میں تکرار نہیں ؎

جلوہ اینجا ہر نفس جام دگر دارد بکف	محرم کیفیتِ آں حسن بے تکرار باش	بیدل

NOTHING IS THERE TO COME AND NOTHING PAST
BUT AN ETERNAL NOW DOES ALWAYS LAST
'ABRAHAM COWLEY'

جس ہال میں یہ محفل منعقد تھی وہ تقریباً حاضرین سے پُر ہو چکا تھا، واقعہ نگار ایک گوشہ میں ادباً ایستادہ، اس روح پرور اور ایمان افروز منظر و کلام کو جنت نگاہ اور فردوس گوش بنا تا رہا۔ اس اثناء میں جاوید اقبال نے حاضرین کو چائے بسکٹ سے تواضع کی اجازت چاہی، علامہ کی نظر فیضِ اثر اس

عاجز پر پڑی، میں نے آداب بجالانے کی سعادت حاصل کی۔ مجھے قریب آنے کے اشارے سے نوازا جا ہی میں آگے بڑھا، علامہ سروقامت کھڑے ہوگئے۔ میں نے نظیری نیشاپوری کا یہ شعر دہراتے ہوئے دست بوسی کا شرف حاصل کیا ؎

فریضہ است ترا آمدن بدرگہ دوست   اگر درون ندہند بار آستاں دریاب

علامہ نے ہمیشہ کی طرح بختیار سے مخاطب ہوتے ہوئے مجھے پہلو میں جگہ عنایت فرمائی۔ برہان کے دسمبر ۱۹۶۲ء اور جنوری ۱۹۶۳ء کے شمارے، جس میں اقبال اور تالگہ زماں کے زیر عنوان جو مقالہ شائع ہوا ہے وہ میرے ساتھ تھا۔ دریافت فرمایا، کوئی خاص بات ہے، میں نے ان دونوں پرچوں کو جہاں یہ مقالہ درج تھا، کشادہ سامنے رکھ دیا۔ اسی عرصہ میں علی بخش نے چائے بسکٹ پیش کئے۔ علامہ نے ایک پیالی میری طرف بڑھائی، دوسری خود اٹھالی اور نوش فرماتے ہوئے اوراق گردانی کرتے رہے۔ ایک نظر میں پورا مضمون بھانپ لیا۔ علامہ ندوی سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اس مضمون نگار نے آپ پر کتمانِ حق کا الزام عاید کیا ہے، اور مجھے تالگہ زمان کی بدعقیدگی سے متہم کرکے کفر والحاد کا فتویٰ جڑدیا ہے۔ کیا غضب ہے کہ میری تحریرات اس کی نظر سے نہیں گذریں، میرے کسی لفظ اور مصرع سے بھی یہ شائبہ گذر سکتا ہے کہ میرے عروۃ الوثقیٰ مغربی علوم رہے ہیں، یا میں نے کوئی بات قرآن و حدیث سے ہٹ کر کہی ہے۔ کیا میرے یہ اشعار ان الزامات کی تردید نہیں کررہے ہیں، کیا مضمون نگار نے 'رموز بے خودی' میں عرض حال مصنف بحضور رحمۃ للعالمین کے زیر عنوان یہ اشعار نہیں دیکھے یا ان سے دانستہ اعراض و اغماض کیا جارہا ہے ؎

گر دلم آئینۂ بے جوہر است   ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
خشک گرداں بادہ در انگور من   زہر ریز اندر مے کافور من
روز محشر خوار و رسوا کن مرا   بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ   سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف
باشعریاں بودم و بجستم و کم دیدم   مردے کہ مقاماتش ناید بکتاب اندر

توغنی ہر دو عالم من فقیر — روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
در تو میدانی حسابم ناگزیر — از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اس وقت عبداللہ انور بیگ نے وہ واقعہ یاد دلایا جبکہ علامہ، سید راس مسعود کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرماتے تھے:

"I HAVE BENIFITED VERY LITTLE BY MY VAST STUDIES, EASTERN OR WESTERN, BUT I HAVE DRIVED IMMENSE BENIFIT FROM INVOCATIONS درود وسلام TO OUR HOLY PROPHET, YOM PROGENITON"

علامہ نے فرمایا میں نے لاتسبوا الدھر فانی انا الدھر میں حضور کے ارشاد کو بلفظہٖ پیش کیا ہے۔ یہ حدیث قدسی قرآن کی دیگر تمثیلی آیات وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی اور ید اللہ فوق ایدیھم اور حدیث خلق آدم علی صورتہ اور خلق الانسان علی صورت الرحمن کی طرح پر محض تمثیل و استعارہ ہے۔ انسان و زمان ہر دو کے بدرجۂ اتم مظہر الٰہی ہونے کے باعث انھیں اپنی ذات سے نسبت دی گئی ہے۔ انسانیت کی یہ پرانی بیماری ہے کہ وہ اپنی کوتاہی سے مثال کو مثل کا درجہ دیتا ہے۔ جس طرح خدا کوئی چراغ نہیں، جنت کوئی باغ نہیں، ایسے ہی انسان رحمٰن نہیں اور زمان یزدان نہیں۔ فطرت کی اس زمانی قوت کو علامہ نے 'جاوید نامہ' میں 'زروان' کا لقب دیا ہے۔ یہ تجلیات و شیون الٰہیہ کا ایک مظہرِ اتم ہے ورنہ کائنات کی دیگر اشیاء کی طرح اس کی حقیقت بھی بجز نمود بے بود کے اور کچھ نہیں، جس کو 'زبورِ عجم' اور 'بالِ جبریل' میں واشگاف پیش کیا گیا ہے۔

زمانہ قاصدِ طیارِ آن دلآرام است — چہ قاصدے کہ وجودش تمام پیغام است
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری — نہ ہے زماں نہ مکاں لاالٰہ الا اللہ

ذات الٰہی جو حقیقت الحقائق ہے، ازلی ابدی ہے، اس لئے زمان مستو کی حرکت و تغیر، تقدم و تاخر کی اضافتوں سے پاک ہے، حدوث زمان کا اطلاق صرف عالمِ خلق تک محدود ہے۔ عالم امر کے

لطائف مستر زمان کے اثر سے وراء الوراء ہیں۔ زمان مستر کا رمز شناس صرف نفسِ انسانی ہو سکتا ہے۔ یہ بوالعجبی ہے کہ کائنات یم ایام میں مچھلی کی طرح غوطہ زن اور خود زمان کے حدود ناآشنا سمندر کی ایک چھوٹے سے جام میں سمائی ہو جاتی ہے، جو مومن کا قلبِ صافی ہے ؎

جہانے ماکہ پایانے نہ دارد چو ماہی دریم ایام غرق است
یکے بر دل نظر واکن کہ بینی یم ایام دریک جام غرق است
گنجیدہ بہ جامے بیں ایں قلزم بے ساحل

لایسعنی ارضی وسمائی وانما یسعنی قلب العبد المومن (حدیث قدسی)

پرتوِ حسنت نگنجد در زمین و آسماں در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

روحِ انسانی چونکہ لازمانی ولامکانی ہے، اس لئے اس میں الٰہی صفات بحدِ توفیق اور بقدر فیض پائے جاتے ہیں۔ عالم میں خدا اس لئے سما نہیں سکتا کہ عالم اعراض کا مجموعہ ہے اور خود جوہر نہیں، یعنی خود بالذات اس کا وجود نہیں۔ عرش ہو یا فرش سب مکانی چیزیں ہیں، حقیقت لامکانی اس میں سما نہیں سکتی، چونکہ روح کی حقیقت لامکانی و زمانی ہے، اس لئے خدا اس میں سما سکتا ہے، روح خدا کی طرح حدود ثغور سے ناآشنا اور ناسوتی قوانین کے اطلاقات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

خلیفہ صاحب نے عرض کیا کہ معترض آپ پر ایراد نہیں کر رہا ہے بلکہ آپ کے مصفیٰ آئینہ میں اپنی صورت دیکھ رہا ہے جیسا کہ رومی، نظیری اور بیدل نے اپنے اپنے انداز میں اس کو ثابت کیا ہے ؎

اے بسا ظلمے کہ بیں در کساں خوئے تو باشد درایشاں اے فلاں (رومی)
آنکہ بر ما زخم کیں زدہ از کینۂ ما عکس آئینہ خود دید در آئینہ ما (نظیری)
ہر چہ از خلق عرض زشت و نکوست عکسِ آئینۂ حقیقت اوست (بیدل)

ماہرین نفسیات کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ کسی شخص کا کسی دوسرے کے مزعومہ عیب پر شدید غم و غصہ کا اظہار اور کسی مخصوص عیب کا دوسروں میں جابجا نظر آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عیب

خود اس میں موجود، یا اس کے تحت الشعور میں انگڑائیاں لے رہا ہے دوسروں کے آئینہ میں اس کو اپنی ـــــ صورت دکھائی دے رہی ہے۔ جو شخص دوسروں میں رجز و توبیخ کر رہا ہے دراصل وہ اپنی باطن کی کراہت سے گریزاں اور برسرِ پیکار ہے ؎

تیرہ طبعاں ز سینہ صاف بداند ذوق آئینہ نیست بد رُو را
(عنایتخاں یکے از وزرائے عالمگیر)

جیسا کہ ٹامس نے کہا ہے:

BASE ENVY WITHERS AT ANOTHER'S JOY,

AND HATES THAT EXCELLENCE IT CANNOT REACH.

ہر کور باطن کی اگر ٹوہ لگائی جائے تو تین علتیں سرگرم کار نظر آئیں گی، یا تو رشک و حسد ہوگا یا سوءِ فہم، یا سستی شہرت حاصل کرنے کی تمنا۔ حاسد عیب چین ہوتا ہے ہنر بین نہیں کہ

ہر کہ بے ہنر باشد نظر بہ عیب کند

چشم اگر کورست بیند ناصواب ہیچگہ شب را نہ بیند آفتاب (اقبال)

زداماں نظر افشاندہ ام تا گرد خود بینی بہ ہر حالت کہ روی آورم گلزار می بینم (صائب)

دوسری عام بیماری جس میں انسانیت مبتلا نظر آتی ہے، وہ فہم درست کا کال ہے جیسا کہ رومی نے کہا ہے: ہر دم اندر حسرت فہم درست، کارلائل بھی انسانیت کی ذہنی صلاحیت کی تحقیق میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہے:

FOR MEN ARE MOSTLY FOOLS — DEVOID OF KNOWLEDGE AND UNDERSTANDING.

غالب کی تحقیق بھی یہی ہے:

ہر چند زمانہ مجمع جہال است درجہل نہ حال شاں بیک منوال است

کودن ہمہ لیک از یکے تا دگرے فرق خر عیسیٰ و خر دجال است

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قائل نے کچھ کہا اور کوتاہ فہموں نے سوءِ فہمی سے کچھ کا کچھ سمجھ لیا۔

حروف کی حالت ظروف کی سی ہے، مظروف تک رسائی بہت کم کو نصیب ہوتی ہے۔ اہل دل حضرات اور ارباب صدق و صفا کی باتوں کے فہم و ادراک کے لئے فہم مستعد اور دل صافی درکار ہے صرف مدرسوں کی دماغ سوزی اور تسبیح و سجادہ کی دکان آرائی کام نہیں دیتی ہے۔

ترا با خرقہ و سجادہ کارے — من از خود با نیم بوئے نگارے
میکدۂ تہی سبو حلقہ خود فرشاں — مدرسۂ بلند بانگ بزم فسردہ آتشاں
بیا ساقی بگرداں ساتگیں را — بیفشاں بر دو گیتی آستیں را
حقیقت را بر ندے فاش کردند — کہ ملا کم شناسد رمزِ دیں را
چو بشنوی سخنِ اہل دل مگو کہ خطاست — سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

اصحاب رمز و اشارات کو بڑی دشواری زمانِ آب و گل میں گفتارِ حال کے اظہار میں ہوتی ہے، معانی کی فراوانی اور الفاظ کی تنگ دامانی ان کو اپنے میں سمونے سے قاصر رہتی ہے۔ ناچار ہنگام تعبیر و بیان جو الفاظ روزمرہ استعمال میں آتے ہیں انھیں سے کام لینا پڑتا ہے۔ تعسیر الفہول کو بوجہ معانی و مطالب کے عسیر الفہم ہونے کے ایسے الفاظ فتنہ بن جاتے ہیں۔ معتقدین و مقلدین ان کو حجت گردانتے اور منکرین و متعصبین آلۂ انکار و تکفیر۔ لیکن ارباب حق و اقتصاد ان کی مناسب تاویل کرتے اور حقیقت حال کو اللہ کے علم کے حوالے کرتے ہیں ؎

در زمانِ آب و گل گفتار جاں — در قفس پرواز می آید گراں (اقبال)
صد شیوہ یافتیم ز معشوق روزِ وصل — وز بہر نیم شیوہ بیانے نہ داشتیم (عرفی)
ترے جلووں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھدی
زبانِ بے نگہ رکھدی، نگاہِ بے زباں رکھدی (اصغر)

لارڈ بیرن کے الفاظ میں:

NO WORD SUFFICE THE SECRET SOUL TO SHOW,
FOR TRUTH DENIES ALL ELOQUENCE TO WOE.

اور پھر ہمارے ذریعۂ اظہار کی ٹینی سن کے الفاظ میں یہ حالت ہے:

WORDS THEMSELVES: THE SHADOWS OF SHADOWY WORLD.

سستی شہرت حاصل کرنے کا آسان نسخہ کسی عظیم واقعہ کا انکار یا کسی عظیم المرتبت شخصیت پر اعتراض کردینا ہے۔ گو ایسی شہرت لعن طعن کی حامل اور ناپائیدار ہوتی ہے، مگر بمصداق "بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا" ایک عادی مجرم کا علی الدوام ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہے

خطبات اقبال کے ترجمہ نگار، سید نذیر نیازی نے مضمون نگار کے ادھورے اقتباسات کو علمی دیانت کے خلاف قرار دیتے ہوئے، اسلامی الٰہیات کی تشکیل جدید سے وہ اقتباس پڑھ کر سنایا، جس میں شیخ اکبر اور فخر رازی کے حوالوں کو بالکلیہ نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ جہاں 'دھر' کو ان حضرات نے اسمائے حسنیٰ میں شمار کیا ہے، پورا اقتباس کچھ اس طرح ہے:

THE PROBLEM OF TIME HAS ALWAYS DRAWN THE ATTETION OF MUSLIM THINKERS AND MYSTICS. THIS SEEMS TO BE DUE PARTLY TO THE FACT THAT ACCORDING TO THE QURAN, THE ALTERNATION OF DAY AND NIGHT IS ONE OF THE GREATEST SIGNS OF GOD, AND PARTLY TO THE PROPHET'S IDENTIFICATION OF GOD WITH TIME IN A WELL-KNOWN TRADITION. INDEED, SOME OF THE GREATEST MUSLIM SUFIS BLIEVED IN THE MYSTIC PROPERTIES OF THE WORD 'DHAR'. ACCORDING TO MOHIUDDIN IBN ARABI 'DHAR' IS ONE OF THE BEAUTIFUL

NAMES OF GOD, AND FAKHRUDDIN RAZI TELLS US IN HIS EXEGESIS OF QURAN THAT SOME MUSLIM SAINTS HAD TAUGHT TO RECITE THE WORD 'DHAR' WITH OTHER ATTRIBUTES OF GOD.

شاید معترض اس بات کو سن کر ششدر ہو جائے کہ شیخ الدلائل ابو محمد عبداللہ، صاحب دلائل الخیرات نے حزب ہفتم میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اس اسم مبارک کو بھی اس طرح دہرایا ہے، یا ازلی، یا ابدی، یا دھری، یا دیموحی، یامن ھوالحی الذی لایموت ؎

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم — جنید و شبلی و عطار ہم مست

جس طرح کائنات کی ہر شے حکم الٰہی کی تابع فرمان ہے، اسی طرح زمانہ اللہ تعالیٰ کی کارفرمائیوں کا ایک محیط الکل منظر پیش کر رہا ہے۔ یہ عقیدہ اسلامی فکر میں اس طرح رس بس گیا ہے کہ ایک عامی سے لے کر ایک عالم تک اس کو تسلیم کرتا ہے، شعر و ادب میں اس کا اظہار تو ادبیات اسلامی کی ایک نمایاں خصوصیت بن گیا ہے، اور اس مضمون کے اشعار زبان و کلام میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، جس کی چند مثالیں یہ ہیں:

آفت روزگار جب تم ہو — شکوۂ روزگار کون کرے — داغ

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں — کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

"نام ان کا آسماں ٹھہرالیا تحریر میں"

وقت کا مسئلہ ہمیشہ سے ایک معرکہ آرا موضوع بحث رہا ہے۔ عامۃ الناس اور نام نہاد عبّاد و زہّاد اس کو کوئی دینی مسئلہ نہیں سمجھتے، لیکن عرفا و حکما اس کی گتھیوں کے سلجھانے میں وقف تحقیق ہیں کہ وقت کی ماہیت کیا ہے، آیا اس کو کوئی شے بھی کہا جا سکتا ہے یا نہیں، دنیا میں یا تو اشیاء و اشخاص ہیں یا افعال و حوادث۔ وقت نہ کوئی شے ہے اور نہ کوئی شخص، نہ کوئی فعل نہ کوئی حادثہ۔ سب کچھ وقت میں واقع ہوتا ہے، لیکن وقت کوئی واقعہ نہیں۔ فلسفیوں کی زبان میں

یہ نہ جوہر ہے اور نہ عرض۔ کیا وقت ازلی وابدی ہے، یا یہ بھی کسی وقت خلق ہوا۔ اقبال مردمومن بھی تھا اور مرد حکیم بھی۔ ناممکن تھا کہ ایسا اہم مسئلہ اس کے دماغ میں تقلیب افکار کا روپ نہ دھارتا اور وہ اس کا اسلامی حل معلوم کرنے سے قاصر رہتا۔ اپنے انگریزی خطبات میں اس مسئلہ زماں کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کو وہ مسلمانوں اور عام انسانوں کے لئے موت وزیست کا سوال قرار دیتا ہے۔ یہ مسئلہ اتنا لطیف، نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس کو سمجھا تو جاسکتا مگر سمجھایا نہیں جاسکتا۔ سینٹ آگسٹائن کا زمان کے بارے میں جو مشہور جملہ ہے اب بھی اسی طرح اپنی ساری حقیقت آفرینیوں کے ساتھ قائم ومحکم ہے، جس وقت کہ وہ کہا گیا تھا۔ اس کو حضورؐ سے ہم عہد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ علامہ نے اس کے اس جملہ کو اپنے تیسرے لکچر میں ان الفاظ کے ساتھ دہرایا ہے:

AUGUSTINE'S PROFOUND WORDS ARE AS TRUE TODAY AS THEY WFRE WHEN THEY WERE UTTERED. 'IF NO ONE OUESTION ME OF TIME, I KNOW IT, IF I WOULD EXPLAIN TO A QUESTIONER I KNOW IT NOT.'

زمان ومکاں، دونوں کا وجود نفسی اور اعتباری ہے۔

ماہیت ہستی میں نہ زماں ہے نہ مکاں — نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ

زمانہ کی یہ گردش جاودانہ — حقیقت ایک تو باقی فسانہ

کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا — فقط امروز ہے تیرا زمانہ (اقبال)

بہ ہر چہ میرسی از خود گذشتنی دارد — بہوش باش کہ امروز رفت وفرداییت (بیدل)

THIS NARROW ISTHMUS TWIST TWO BOUNDLESS SEAS.

THE PAST AND FUTURE, TWO EXTREMITIES.

'THOMAS MOORE'

ہر چہ دارد محفلِ تحقیق امروز ست و بس   خاک بر فرقِ دو عالم دی و فردا کردہ اند (بیدل)

یہ امروز بھی اتنا دواں و برّاں ہے، ادھر زبان سے نکلا، سماعت کے پردوں سے ٹکرایا، اور ماضی کی زینت بن کر رہ گیا۔

عبداللہ یوسف علی نے کس حقیقت آفریں انداز میں اپنی انگریزی تفسیرِ قرآن میں اس کو پیش کیا ہے:

THE PRESENT IS ONLY A FLEETING MOMENT, POISED BETWEEN THE PAST & THE FUTURE, AND GONE EVEN WHILE IT IS BEING MENTIONED OR THOUGHT ABOUT.

کائنات کی ہر چیز خلاقِ فطرت کی آئینہ داری کر رہی ہے جس کو قرآن تسبیح خوانی سے تعبیر کرتا ہے، دان من شئ الا یسبح بحمدہ، جس کو سننے اور جاننے سے انسان قاصر و درماندہ ہے۔

کنتُ کنزاً مخفیاً فاحببت اَن اُعرفَ ، فخلقت الخلق۔ محبت و حقیقت کا حسین ترین موصوف اگر عقل و دانش میں نہ آئے نور جمال اور دل و نگاہ میں سما جائے تو انسان ہے۔

درجستن مانند تو، نظارہ زبون است   درزادن ہمتائے من اندیشہ عقیم است (غالب)

ردائے لالہ و گل، پردۂ مہ و انجم   جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے (اصغر)

جلوہ و نظارہ بنداری کہ از یک جوہر است   خویش را در پردۂ خلقے تماشہ کردہ (غالب)

کفر دہ کیشم سپاسِ نعمتِ دیدار اوست   جلوہ در ہر رنگ دیدم، گردنے خم ساختم (صہبائی)

مرا در عرصہ آوردی کہ خود را جلوہ گر کردی   فگندی چشم بر آئینہ یا بر خود نظر کردی (درد)

از تقاضائے حب جلوہ گری   آمد اندر حصار شیشہ پری (نیاز)

"لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی"

امریکی صوفی شاعر ایڈورڈ ایمرسن نے کس وجد آفریں انداز میں کنت کنزاً مخفیاً کا ترجمہ کیا ہے:

I WAS A GIM CONCEALED :

ME MY BURNING RAY REVEALED

عشق کی آفرینش حسن سے ہوتی ہے، یعنی خود حسن، عشق کا آفریدگار ہے اس لئے جمالِ ازلی عشق اور عاشق سے کیسے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ حسن کی بے نیازی ایک غلط خیال ہے۔ آرائش جمال، عشق ہی کی خاطر داریاں ہیں۔ حسن و عشق ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ ایک کے بغیر دوسر کا وجود ناقابل تصور۔ حق کا عرفان اس کی ضد ہی سے ہوتا ہے۔ توانائی کے لئے ناتوانی، گنہگاری کے لئے غفاری، لطافت کے لئے کثافت، اپنے کو ساری ناتوانیوں اور خامیوں کے ساتھ پیش کرنا کسی کی خدائی اور کمال کا ثبوت دینا ہے

"شکوہ صاحب حزیں زخوشہ چیں پیداست"

ناتوانی خوی اساسیہاست　　　خود نمائی خداشناسیہاست

اس جامع حقیقت کی کنتُ کنزاً مخفیاً میں دعوت فکر دی گئی ہے۔

بلبل زادب پا نہ نہد درصف گلزار　　　تا گل بہ طلبگاری او لب نہ کشاید

شعاعِ مہر خود بے تاب ہے جذب محبت سے

حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پرواز شبنم کی (اصغر)

حسنت نیازمند تماشائے ناز نیست　　　اما ز ذوق جلوۂ خود بے نیاز نیست (عرفی)

جلوہ مفت ست اگر دیدۂ بینائے ہست　　　ایں جہاں آئینۂ آئینہ سیائے ہست

مہر و ماہ ارض و سما آئینۂ شکل اند ہمہ　　　میتواں یافت کہ در پردہ خود آرائے ہست (مظہر)

بہ فلک فروغِ تو در نظر، بہ زمیں بہارِ تو جلوہ گر

بہ چمن سحاب و بہ گل سحر، ہمہ جا ظہورِ کرامتے　　　(بیدل)

اس حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ میں پوشیدہ خزانہ تھا، اس کا آرزومند ہوا کہ پہچانا جاؤں،
یہ داعیہ تخلیق کائنات کی علت بنا۔ قرآن حکیم کا یہ فرمان کہ میں نے جن والنس کو عبادت کے لئے
پیدا کیا ہے، ان ہر دو میں کوئی تضاد نہیں۔ عبادت کا حقیقی جوہر عشق ہے۔ جو پرستش اس
رنگ سے خالی ہو وہ طاعت نہیں مزدوری واجرت ہے

تسبیح وخرقہ لذت مستی نہ بخشدت   ہمت دریں عمل طلب از مے فروش کن   حافظ

تم اس کافر کا ذوق بندگی اب پوچھتے کیا ہو
جسے طاقِ حرم بھی ابروئے خمدار ہو جائے   اصغر

آبرو از درمیخانہ طلب کن زاہد   طاعت خشک شرابست تو ہم میدانی   علی

وحدۃ الوجود اور ہمہ اوست کے سمجھنے میں بہت سوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ گفتار جاں کو زبان آب وگل میں بیان کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ جو بات سمجھانا چاہتے ہیں اس کے لئے الفاظ نہیں اور جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان میں تمام معانی ومطالب کی سمائی دشوار۔ دشنہ وخنجر، بادہ وساغر کے بغیر کام نہیں چلتا۔ قائل نے ایک حقیقت کو الفاظ کا جامہ پہنایا، سامع لفظ پرستی کا شکار ہوکر الوہیت کے پیچ وخم میں الجھ کر رہ گیا۔ زبان تمام تر مادیت اور جسمانیت کے سانچوں میں ڈھلی ہوتی ہے۔ کیفیتیں ابھرتی ہیں کیتیں نہیں کیفیت کو بیان کرنا چاہو تو مکانیت کی اصطلاحات سے کام لینا پڑتا، جس کو حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں یہ ایسے ہی ہے کہ ایک طفل نوخیز کو جماع کی لذتوں سے آشنا کرنے کے لئے بسم اللہ کے لڈو کہدیا جائے۔ انسان بحیثیت حیوان ناطق کے خود پر نازاں ہے، حالانکہ حالت یہ ہے کہ نفس انسانی ہنوز ایسی زبان ایجاد نہ کرسکا، جو واردات نفسی کا تشفی بخش ذریعہ بن سکے۔ امام شاذلیؒ اس کے لئے دست بدعا ہیں، وھب لنا مشاھدۃ تصحبھا المکالمۃ۔ الہی وہ مشاہدہ ارزاں فرما جو تکلم کی پرورش کرے۔
حزب الکبیرؒ

مولانا روم بھی اسی کی خواستگاری کر رہے ہیں:

اے خدا بنما تو ما را آں مقام　　　کاندرو بے حرف میرو د کلام

فیضی بھی اسی کا رونا رو رہا ہے:

فریاد کہ دوریم ز مطلوب دل خویش　　　چنداں کہ دراز ست زبان طلب ما

حقیقت یہ ہے کہ کیفیات کو بیان کرنا تو درکنار ان کی درست نقش آرائی بھی نہیں کی جا سکتی:

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش راچساں خواہد کشید

علامہ پر مقالہ نگار نے دھر کو الٰہ سمجھنے کا اعتراض کر دیا ہے۔ اس ایراد سے تصور بھی کانپ اٹھتا ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ صفین میں حضرت عمار کی شہادت پر علی مرتضیٰ نے عمرو العاص اور معاویہ سے کہا کہ 'فئتہ الباغیہ' کی حدیث تمھیں یاد ہے، جس میں عمار کی شہادت اور گروہ باغی کے ناری ہونے کی پیش گوئی ہے۔ عمرو العاص اس حدیث کو سن کر سکتہ میں پڑ گئے۔ معاویہ نے اس کی یہ تاویل کی کہ عمار کو قتل کرنے والے علی ہیں کہ انھیں میدان جنگ میں لے آئے۔ علی مرتضیٰ نے جواب دیا اس باطل استدلال سے حمزہؓ کے قاتل حضورؐ قرار پاتے ہیں۔ معاویہ گھبرا گئے اور بات بدل کر عمرو العاص سے کہا کہ تم خود اپنے پیشاب میں پھسل رہے ہو، مصر کی ولایت محفوظ ہے ان جھمیلوں میں نہ پڑو۔

زمانہ ذات واجب الوجود کی فعالیت کا اثر آفریں پرتو ہے۔ رہا تالّٰہ زمان' یہ محض معترض کی افترا پردازی ہے۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ ـــ نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ ـــ وہ کیسے زمان کو الوہیت کا ہم پلہ قرار دے سکتا ہے۔ از روئے نص قرآنی، زمانہ شیون الہیہ سے ہے، وکل یوم ھو فی شان، جس کا کوئی صاحب ایمان انکار نہیں کر سکتا۔ پھر علامہ جیسا موحد، جس کی توحید پرستی میں یہ شعر جریدۂ عالم ثبت ہو کر منارۂ نور کی صورت اپنی

تابانیوں سے اہل ایمان کو صراط مستقیم پر استقامت اور گم کردہ راہوں کو ہدایت بخش رہا ہے ؎

دل بہ کسے نہ باختہ، باد و جہاں ساختہ

من بہ حضور تو رسم روزِ شمار این چنیں

اس کائنات کا ذرہ ذرہ پرتوِ جمال الٰہی ہے ؎

چوں آفتاب ہر رخ ہر ذرہ ظاہرم   از غایت ظہور عیانم پدید نیست

شیخ سعد الدین حموی کس وجد آفریں انداز میں اپنی اس رباعی سے دل آگاہ کے قلب و دماغ کے لئے برد و تسکین کا سامان فراہم کر رہے ہیں :

حق جان جہاں است و جہاں جملہ بدن   اصناف ملائکہ حواس دہن تن

افلاک و عناصر و موالید اعضا   توحید ہمین است و دگر حیلہ و فن

مولانا روم بھی اس دعوے کی حرف وصوت کے پردوں میں زمزمہ سنجی کر رہے ہیں :

او چو جان است و جہاں چوں کالبد

کالبد از وے پذیرد آلبد

ایک فرنگی شاعر بھی یہی راگ الاپ رہا ہے :

ALL ARE PARTS OF ONE STUPENDOUS WHOLE,

WHOSE BODY NATURE IS, AND GOD THE SOUL.

شیخ اکبر جو وحدۃ الوجود کے انتھک شارح اور زبردست علم بردار ہیں، ان کا یہ فتویٰ ماسوا و ماعدا کے الوہیت کے رگ گلو پر کس طاقت سے خنجر پھیر رہا ہے، العالم ما شمہ ما ائحۃ الوجود اصلاً ؎

غیر حق یک ذرہ کان مقصود تست   تیغ لا بر کش کہ آں مقصودِ تست

فتوحات مکیہ میں بڑی خوبی سے اس مسئلہ کی ماتل و دل وضاحت کی ہے۔

انہ لیس للعبد فی العبودیۃ نہایۃ حتی تصل الیہا ثم یرجع ربا کما انہ

لیس للرب حدٌ ینتھی الیہ ثم یعود عبداً، فالرب رب غیر نہایۃٍ والعبد عبد لانہایۃٍ (فتوحات باب ۳۱)

عبد کے لئے عبودیت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس کو پالے اور پھر رب بن جائے، جس طرح رب کے لئے کوئی حد نہیں کہ وہ ختم ہو جائے اور عبد بن جائے۔ اس لئے رب رب ہے بغیر نہایت اور عبد عبد ہے لانہایت۔

العبد عبد وان ترقی والرب ربٌ وان تنزل

"ما للتراب و رب الارباب"

نہ آن این گردد و نے ایں شود آں ہمہ اشکال گردد بر تو آساں

چہ ممکن ست رود داغ زندگی بہ جبیں

زمیں فلک نشود، آدمی خدا نہ شود

اس چمنستان میں نیرنگیٔ گلشن مستقل اور گل وبلبل پا بر کاب، بوالعجب تر یہ کہ اس آئینہ خانہ میں جلوہ مقیم اور آئینے ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت سے دوچار ہو رہے ہیں۔

ہوا جدھر سینگ سمائے اور من بھائے چلتی ہے

THE WIND BLOWITH WHERE IT LISTETH.

مگر جس قانون کے تحت یہ تبدیلیاں و تنوع پذیر ہو رہی ہیں وہ اپنی جگہ اٹل۔

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

کیونکہ مرکزِ تغیر اور سرچشمۂ انقلاب لم یزل اور لایزال ہے۔

نیرنگیٔ گلشن نہ شود ہم سفرِ گل

آئینہ ز خود می رود و جلوہ مقیم ست

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین